حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

ایک ہشت پہل ہیرا

مولانا آزاد میموریل اکیڈمی لکھنؤ کے زیر اہتمام ۷ مارچ ۱۹۹۰ء کو گنا سنستھان آڈیٹوریم میں مولانا آزاد کی یاد میں صد سالہ جشن منایا گیا۔ اس موقع پر مولانا آزاد کی تفسیر سورہ فاتحہ کے ہندی ترجمہ اور مولانا آزاد کی سیرت و شخصیت پر مصر کے مشہور عالم اور سابق وزیر قانون جمہوریہ مصر کی کتاب کے اردو ترجمہ کا اجراء ہوا۔ جشن میں مولانا آزاد کے فکر و ادب سے دلچسپی رکھنے والے عوام صحافی عربی ملازمین اور یونیورسٹی اساتذہ کے ساتھ گورنر اتر پردیش۔ محمد اعظم وزیر محنت و اوقاف وغیرہ نے شرکت کی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ نے صدارتی تقریر فرمائی جو شائع کی جا رہی ہے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

میں اپنی تقریر بسم اللہ سے شروع کر رہا ہوں جس کو مولانا آزاد نے بھی اپنی تفسیر سورہ فاتحہ کا سرنامہ بنایا ہے۔ اور یہ ایسا آغاز ہے کہ جس سے کسی کو انکار یا شکایت نہیں ہو سکتی۔

حضرات! مولانا آزاد کی شخصیت ایک ہشت پہل ہیرا تھی جس کے ایک ایک پہلو پر ایک کتاب نہیں بلکہ کتابوں کا ایک سلسلہ اور ایک چھوٹا سا کتب خانہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ وہ ادیب تھے، وہ خطیب تھے وہ بہت بڑے فاضل اسکالر تھے وہ مفسر قرآن تھے وہ قائد ہندوستان تھے۔ وہ مجاہد آزادی تھے۔ ان میں سے ان کا ہر پہلو ممتاز اور نمایاں ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں دنیا کے مختلف زبانوں کے ادیبوں کی کوئی فہرست بڑی احتیاط کے ساتھ مرتب کی جائے تو اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام ضرور شامل ہونا

چاہیئے۔ بیسویں صدی عیسوی کے دنیا کے فاضل اسکالرز کی کوئی فہرست بڑی احتیاط اور چھان بین اور بڑی احساس ذمہ داری کے ساتھ بنائی جائے۔ تو وہ فہرست ان کے نام کے بغیر نامکمل رہے گی۔

اسی طریقے سے مجاہدین آزادی کی کوئی مختصر سے مختصر فہرست بنائی جائے تو اس میں اس کا نام شامل ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے میں اس دنیا کی چار عظیم زبانوں کی شد بد رکھتا ہوں اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے بہترین ادیبوں میں اہل قلم میں مولانا کا نام شمار ہے۔ اور اگر ان کی صف اول میں مولانا کو رکھا جائے تو کوئی مبالغہ یا ناانصافی نہیں ہوگی۔ اسی طریقہ سے فضلاء کی فہرست، صحافیوں کی فہرست، مجاہدین آزادی کی فہرست بھی ان کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ لیکن میں آج جب کہ وقت زیادہ ہوچکا ہے اور آپ کے سامنے فاضلانہ تقریریں ہوچکی ہیں۔ ایک پہلو پر خاص طور سے آپ کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔

ان کی زندگی کا اور ان کے کمالات کا ایک بہت ممتاز اور روشن ترین پہلو یہ ہے کہ انہوں نے چند صداقتوں چند حقیقتوں کا ادراک کرلیا اور پھر ان پر وہ سختی سے ثابت قدم رہے۔ یہ بات کہنے کو تو بہت آسان ہے اور میں نے بڑے ہلکے پھلکے اور روزمرہ کے لفظوں میں اس کو ادا کردیا ہے لیکن عملی زندگی میں اور خاص طور پر جنگ آزادی میں اور ملکوں کی تلاطم خیز زندگی میں جس میں بڑے بڑے امتحانات اور آزمائشیں پیش آتی ہیں اور بعض اوقات پہاڑ بھی جنبش میں آجاتے ہیں۔ دریاؤں کے دھارے بدل جاتے ہیں۔ ہواؤں کے رخ تبدیل ہوجاتے ہیں۔ اور بڑے بڑے صاحب استقامت اور صاحب ضمیر انسان بھی کسی غلط محرک کی وجہ سے نہیں بلکہ بیشتر اوقات کسی صحیح مقصد سے ان صداقتوں کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ذرا سا سہی ان سے ہٹ جاتے ہیں۔ لیکن مولانا آزاد کا یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ انہوں نے پہلے دن سے کچھ صداقتوں، کچھ حقیقتوں کا ادراک کرلیا۔ وہ ان کے گرفت میں آگئیں۔ تو اس کے بعد وہ ان پر سختی سے جمے رہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں لیکن وہ نہیں ہلے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں علامہ اقبال کے دو شعر پڑھوں جو مولانا آزاد پر پورے طور سے صادق آتے ہیں۔ ویسے تو ان کا یہ شعر بہت پڑھا جاتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور یہ مولانا آزاد پر بالکل صادق ہے لیکن میں فارسی کے دو شعر پڑھوں گا ؎

دو صد دانا دریں محفل سخن گفت　　سخن نازک تر از برگ سمن گفت

ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست
کہ خارے دید و احوالِ چمن گفت

سینکڑوں بڑے عقلا اور داناؤں نے ایسی باتیں کیں جو چمن کے شاداب پھولوں سے بھی نازک تر تھیں۔ لیکن مجھے اس شخص کا پتہ دو کہ جس نے ایک کانٹا دیکھا اور چمن کی داستان سنا دی۔

میں معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بہت کم ایسے لوگ رہ گئے ہیں جن کو مولانا آزاد سے اتنی ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا ہو اور ہم کلامی کا (مولانا ابو الکلام کے ساتھ ہم کلامی کا لفظ ایک خاص لذت و معنویت رکھتا ہے) ابوالکلام سے ہم کلامی کا شرف اتنی بار حاصل ہوا جتنی بار مجھے اس کا موقع ملا۔ ہمارے اس ملک سے وہ نسل تقریباً جا چکی ہے اور شاید چند لوگ ان میں سے باقی بچے ہوں جنہوں نے مولانا آزاد کو قریب سے دیکھا ہو ان کے ساتھ بیٹھے ہوں۔

مجھے ان سے دہلی میں، لکھنؤ میں، سری نگر میں اور قاہرہ میں ملنے کا اور ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا میں نے ان کی تقریریں سنی ہیں۔ ان کی تحریریں پڑھی ہیں۔ ان کی زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کیا ہے اور میں بڑے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کی سب سے اہم اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اس ہندوستان کے متعلق چند سچائیوں اور چند حقیقتوں کو سمجھ لیا۔ اور ان کے ذہن نے ان کو قبول کر لیا۔ تو انہوں نے ان کو اپنے ضمیر کا اپنے دماغ کا جزو بنا لیا۔ اور اپنی قلم اور اپنی زبان کو ان کا ترجمان بنا لیا۔ پھر وہ ذرہ برابر ان سے نہیں ہٹے۔ کہنے کو تو یہ بات بہت آسان ہے۔ لیکن ملک میں سیاست کی جو آندھیاں چلتی ہیں جو انقلابات آتے ہیں۔ جو نئے سیاسی نقشے سامنے آتے ہیں جو نئے نئے تجربات ہوتے ہیں۔ جو نئے نئے خطرے سامنے آتے ہیں وہ بڑے بڑے دیانتدار آدمی کو بھی دیانت داری کے ساتھ اپنے مسلک سے اپنے اس عقیدے سے ذرا سا ہٹنے یا بعض اوقات پورے طور پر ہٹ جانے کا جواز مہیا کرتے ہیں ان کو ہم نہ بددیانت کہہ سکتے ہیں نہ غدار کہہ سکتے ہیں۔ نہ ضمیر فروش کہہ سکتے ہیں نہ متلون مزاج کہہ سکتے ہیں۔ عالمی سیاست کی تاریخ میں بڑے بڑے صاحب استقامت اصولوں کے پکے اور قابل فخر افراد گذرے ہیں۔ جو اپنے ساتھ بڑی شاندار تاریخ رکھتے ہیں۔ جن کی صداقت پر، جن کی دیانتداری پر اور جن کی آزاد ضمیری اور جن کی صاف گوئی پر اور جن کے بااصول ہونے پر ذرا بھی حرف نہیں رکھا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود ان کو کسی نہ کسی مرحلہ پر اپنے اس موقف کو چھوڑنا پڑا۔ یا اس موقف سے ذرا سا ہٹنا پڑا۔ لیکن میں آج ان دانش مند حاضرین و سامعین کے سامنے اور تاریخ کو گواہ بنا کر اور یہ سمجھ کر کہ انسان جو کچھ کہتا ہے اس کا کوئی سننے والا بھی ہے اور اس کے متعلق سوال کیا جا سکتا ہے میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ

کہہ سکتا ہوں کہ مولانا آزاد کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے اس موقف سے ذرا بھی نہیں ہٹے جس کو انہوں نے روز اول ہی سے سوچ سمجھ کر اختیار کیا تھا۔

انہوں نے پہلے ہی دن یہ سمجھ لیا تھا اور اس صداقت کو مان لیا کہ ملک کو آزاد ہونا چاہئے اور اس ملک کو جمہوری ہونا چاہئے۔ اس ملک کو لا مذہبی (سیکولر) ہونا چاہئے اس ملک کی آبادی کی تمام اکائیوں کو اور اس کی اقلیتوں کو اپنے تشخص کے ساتھ اپنی مخصوص تہذیب کے ساتھ اپنے مذہبی رسومات کے ساتھ اپنے عقیدے کے ساتھ، اپنی نئی نسل کو تعلیم دینے کی آزادی کے حق کے ساتھ اپنے مخصوص پرسنل لار کے ساتھ اس ملک میں رہنا چاہیئے۔ ان حقیقتوں کو اور ان صداقتوں کو ان کے ذہن نے قبول کر لیا۔ انہوں نے قرآن مجید کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ایک نہایت ذہین، نہایت حقیقت شناس نہایت محنتی اور نہایت دیانت دار طالب علم کی حیثیت سے مذاہب عالم کی تاریخ کے ایک سکالر کی حیثیت سے صحف سماوی کے ایک مطالعہ کرنے والے کی حیثیت سے سیاسیات عالم کے ایک مبصر کی حیثیت سے اپنی نسل کے ایک ذہین ترین اور حساس ترین انسان کی حیثیت سے اس بات کو تسلیم کر لیا تو اس سے انہوں نے ایک نقطہ بھر بھی انحراف نہیں کیا۔ اس سے وہ ہٹے نہیں انہوں نے کبھی کسی بات سے سمجھوتہ نہیں کیا اس سے وہ ہٹے نہیں۔ انہوں نے کبھی کسی بات سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ کہ ملک غیر آباد بھی رہ سکتا ہے۔ اسی طریقہ سے ہندو مسلم اتحاد پر ان کو یقین تھا اور جیسے کہ ابھی مولانا آزاد کا یہ قول نقل کیا گیا کہ:۔

"اگر قطب مینار پر چڑھ کر کوئی یہ آواز دے کہ دو راستوں میں سے صرف ایک راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ یا تو یہ ملک آزاد ہو جائے یا ہندو مسلم اتحاد کا دامن چھوڑ دیا جائے۔ تو میں یہ قبول کرنے کے لئے تیار ہوں کہ ملک آزاد نہ ہو لیکن ہندو مسلم اتحاد برقرار رہے"

اور مولانا آزاد زندگی بھر اس کو جزو جان بنائے رہے۔

میں بغیر کسی کے حق تلفی کے تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے اور ایک صاحب ضمیر انسان کی حیثیت سے یہ کہتا ہوں۔ میرے دل میں سب کا احترام ہے اور مجھے خدا نے موقع دیا کہ میں نے پنڈت موتی لال نہرو سے لے کر پنڈت جواہر لال نہرو تک اور مولانا آزاد تک اور ان سے پہلے تحریک خلافت کے مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی ان سب کو دیکھا اور سنا اور یہی آپ کا شہر لکھنؤ ہے۔ یہیں گنگا پرشاد میموریل ہال میں میں نے سب سے پہلے مولانا آزاد کی زیارت کی تھی۔ میں نے ان کی تقریر سنی اور اسی جھنڈے والی پارک میں میں نے گاندھی جی کی بھی تقریر سنی۔ پنڈت موتی لال نہرو کی بھی

تقریر سنی میں سب کا احترام کرتا ہوں تاریخ میں سب کی جگہ ہے اور کسی کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ اس پر کبھی کوئی دھبہ بھی ڈالے۔ لیکن میں ان سب کے احترام کے ساتھ یہ کہوں گا کہ اگر یہ کہا جائے کہ اپنی ان صداقتوں پر اپنی ان مانی ہوئی حقیقتوں پر ہمالیہ پہاڑ کی طرح کوئی شخص جما رہا جس نے ذرا برابر بھی جنبش نہیں کی تو وہ مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔

آج آپ اندازہ نہیں کر سکتے ۴۷ء سے پہلے کی فضا شاید بہت سے لوگوں نے دیکھی نہ ہو اور دیکھی ہو تو ان کے ذہن میں محفوظ نہ ہو۔ کچھ عمر رسیدہ لوگ موجود ہیں جو اس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ صرف اس بات کا اندازہ کر لیجئے کہ جب پاکستان کا نعرہ لگایا گیا۔ اس نعرہ میں بڑی کشش تھی۔ ایک مسلمان قومیت، ایک مسلمان نسل، مسلمانوں کے عقیدہ و مذہب اور ان کی شریعت اور قانون سے تعلق رکھنے والے انسان کے لئے یہ کتنے سخت امتحان کی آزمائش کی گھڑی تھی۔ اس کا اندازہ کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ جن حالات میں وہ نعرہ لگایا گیا وہ بدگمانیوں کا زمانہ تھا۔ وہ شکایتوں کا زمانہ تھا۔ وہ رنجشوں کا زمانہ تھا۔ وہ تلخ تجربوں کا زمانہ تھا۔ جب کہ مسلمان دفتروں میں ناانصافی کی شکایت کرتے تھے جب یہ نظر آرہا تھا کہ اس ملک کی ساری خوبیوں کے باوجود ان کا تشخص محفوظ نہیں۔ اس کی ضمانت دینی مشکل ہے۔ اس وقت اس نعرہ میں کیا کشش تھی کیا جادو تھا۔ اس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے۔ لیکن مولانا آزاد کی شخصیت تھی کہ اس نعرے سے وہ ذرا متاثر نہیں ہوئے اور سختی کے ساتھ تقسیم ہند کی مخالفت کی۔ مجھے اس سے بحث نہیں میں معافی چاہتا ہوں ان لوگوں سے جو اس سے سو فیصدی اتفاق نہ کر سکیں۔ لیکن مولانا آزاد نے اس سے نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ ان میں پوشیدہ خطروں کی طرف اشارے بھی کئے۔ آج میں جرأت کے ساتھ اور ذرا معذرت کے ساتھ یہ کہوں گا آج وہ خطرے حقیقت بن کر سامنے آرہے ہیں۔ اس سے مولانا آزاد کی بصیرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ وہ معصوم تھے ایک فیصدی ان سے غلطی نہیں ہوتی۔ میں ایک تنقیدی ذہن بھی رکھتا ہوں اور تاریخ کا طالب علم اور ایک چھوٹا سا مصنف بھی ہوں۔ میں نے تنقیدی کام بھی کئے ہیں میں خدا کے رسول ؐ کے سوا کسی کو معصوم نہیں مانتا کہ اس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن مولانا آزاد کے متعلق میں صاف کہتا ہوں کہ شروع سے انہوں نے اپنے لئے جو مسلک اختیار کیا اور اس ملک کے لئے جس چیز کو مفید اور مناسب سمجھا اُس ملک کی بقا کا راز اس ملک کی عزت کا راز۔ اس ملک کی آزادی۔ اس ملک کی نیک نامی کا راز جس چیز میں سمجھا اس سے ذرا بھی انحراف نہیں کیا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ رام گڑھ کے اجلاس کانگریس میں ان کے آخری خطبہ صدارت کا ایک اقتباس آپ کو پڑھ کر سناؤں جس سے میرے

اس بیان کی تصدیق ہوگی۔ جس سے ان کا ذہن آپ کے سامنے پورے طور پر آئے گا۔ میں مولانا آزاد کی زبان کہاں سے لاتا، ان کا قلم کہاں سے لاتا، ان کی بلاغت کہاں سے لاتا تاکہ میں ان کے خیالات کو اس طریقہ سے ادا کرسکتا جیسا کہ ادا کرنا چاہیئے۔ اس لیے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے مسلک کو ان کے خیالات کو انہی کی زبان میں ادا کروں۔

آپ اس کو شروع سے آخر تک دیکھیں ان کی زبان کی شجاعت ان کی زبان کی صاف گوئی اس کے ساتھ ساتھ ان کا جو ذہنی توازن ہے اور مذہب اور آزادی دونوں کو جمع کرنے کی جو اللہ نے ان کو صلاحیت بخشی ہے اس کا جس طرح اظہار ہوا ہے اس کو آپ غور سے سنیں اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مولانا کانگرس کے اسٹیج سے کہہ رہے ہیں۔

"میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں۔ اسلام کے تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثہ میں آئی ہیں میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون اور اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور سیاسی و اجتماعی دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے۔ میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں میں ہندوستان کی ایک اور ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ناگزیر عامل ہوں۔ میں اپنے اس دعوے سے کبھی دستبردار نہیں ہوسکتا"

یہ مولانا آزاد کی سچی تصویر ہے۔ جو انہوں نے اپنے قلم سے کھینچی ہے خود انہوں نے اس کی رہنمائی کی ہے۔ جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کی۔ یہ مولانا ابوالکلام آزاد کا مسلک تھا اس میں بصیرت کی گہرائی اس میں دماغ کی بلندی، اس میں قوت فکریہ کی صلاحیت اس میں مطالعہ کی وسعت اور اس میں ضمیر کی آزادی ساری چیزیں آ گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ جس چیز نے اس کو چار چاند لگائے وہ ان کی پختگی ان کی ثابت قدمی ہے کہ وہ اس سے ذرہ برابر بھی ہٹے نہیں۔ کوئی تاریخ کا طالب علم کتنے ہی وسعتوں اور تحقیقی طریقے پر، تنقیدی ذہن کے ساتھ مطالعہ کرے "الہلال" کا "البلاغ" کا "غبار خاطر" کا اور ان کی دوسری تحریروں کا اس میں کہیں سے انحراف نہیں پائے گا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جب اس ملک میں ایسے طوفان اٹھ رہے

تھے۔ اور ایسی آندھیاں چل رہی تھیں کہ اس وقت کسی شخص کا ایک ہی بات کا رٹ لگائے جانا ایک نقطے پر جمے رہنا جس کا انہوں نے اپنے لئے انتخاب کیا ہے جو لکیر اپنے لئے بنائی ہے سرحدی خط بنایا ہے اور جو واضح خط کھینچا ہے اس پر وہ کھڑا رہے۔ بعض اوقات دیانتداری کے ساتھ بھی ایسا کرنا سیاست کے خلاف ہوتا ہے اور آپ حضرات مجھ سے زیادہ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ بعض مرتبہ دیانتداری کا بھی تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی ذرا سا اپنے مسلک سے ہٹ جائے اور اس میں لوچ پیدا کرے لیکن آپ اسے مولانا آزاد کی بے نظیر استقامت کہئے یا ان کی ذہنی ساخت کہئے ان کی فکر کا تقاضا کہئے مولانا آزاد واحد شخص ہیں ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں جس نے کبھی اپنے مسلک سے ذرہ برابر بھی انحراف گوارا نہیں کیا۔ اور یہ وہ چیز ہے جو فخر سے ان کا سر اونچا کر دیتی ہے اور میں آپ کے سامنے صفائی سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اس ملک کے لئے سب سے بہتر راستہ وہی ہے جس کی طرف مولانا آزاد نے رہنمائی کی۔

تحریک خلافت کے زمانے میں میں نے ہوش سنبھالا تحریک خلافت سے لے کر تحریک پاکستان تک اور پھر اس وقت تک ہندوستان میں جو مدوجزر آتے رہے۔ سیاست کے جو اچھے یا برے اتار چڑھاؤ آئے سب میرے سامنے ہیں مجھے اس ملک سے باہر دوسرے ملکوں اور براعظموں میں جانے کا اتفاق بھی ہوتا رہا ہے۔ میں آپ کے سامنے پوری دیانتداری کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس ملک کے لئے مناسب ترین اور محفوظ ترین اور محتاط ترین اور کامیاب ترین نقشہ وہی ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد نے سوچا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا اور لکھا آپ کے سیاسی ڈھانچہ میں کتنی ہی تبدیلیاں آئیں۔ یہاں کے انتخابات کا نتیجہ کچھ ہو یہاں کے سیاسی نقشہ میں اور یہاں کے منشور میں اور یہاں کے   میں اور یہاں کے اعلانات اور وعدوں میں کیسا بھی ردوبدل کیا جائے میں نہیں کہتا بددیانتی سے ہوگا بالکل دیانتداری سے ہوگا لیکن میں آپ کے سامنے ببانگ دہل یہ کہتا ہوں (مولانا کا اعلان ببانگ دہل ہی کی حیثیت رکھتا ہے) میں اسی کی آواز پر نہیں بلکہ اس آواز پر جو اس سے بے نیاز ہے اور جو صداقت پر اور حقانیت کی بنا پر، دیانتداری کی بنا پر۔ اور حب الوطنی کی بنا پر اور مطالعہ کی گہرائی کی بنا پر، اس سے بہت دور جا سکتی ہے اور وہ چاہے اس وقت تحریر میں نہ آئے لیکن وہ اس فضا میں گونجتی رہے گی۔ وہ یہ ہے کہ ہندوستان کے آزادی کے لئے ہندوستان کی سلامتی کے لئے، ہندوستان کے باوقار طریقہ پر، محفوظ طریقہ پر، محتاط طریقہ پر قابل اعتماد طریقہ پر اور امن وامان کے راستہ پر چلنے پر لئے اور ہندوستان کی آزادی کے برقرار رہنے کا سب سے زیادہ صحیح اور سب سے بہتر اور سب سے مکمل نقشہ وہی ہے جو مولانا آزاد نے سوچا جو

مولانا آزاد نے کہا۔ جو مولانا آزاد نے کہا۔ ملک کی بنیاد جمہوریت پر ہو ملک کی بنیاد سچے بے لاگ انتخابات اور قومی چناؤ پر ہو یا نامذہبیت پر ہو میں لامذہبیت نہیں کہتا۔ نامذہبیت اور چیز ہے۔ لامذہب ہونا اور چیز ہے نامذہبیت یہ ہے کہ اس ملک کا کوئی خاص مذہب نہیں۔ وہ مذہب کا نہ مخالف نہ کسی مذہب کا داعی اور علمبردار ہے۔ اس ملک میں ہر مذہب کو آزادی ملے، انصاف ملے، پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا میدان ملے۔ یہ ملک آزاد ہو۔ آزاد رہے سیاست سے لے کر اقتصادیات تک اور بین الاقوامی تعلقات تک یہ ملک آزاد ہو اور اس میں ہر اقلیت اپنے کو محفوظ سمجھتی ہو۔

اور میں یہ عرض کروں گا اپنے چپ و راست، دانشوروں اور وزراء کے درمیان کہ کسی ملک میں کسی اقلیت کا محفوظ رہنا کافی نہیں بلکہ اس اقلیت کا اپنے کو محفوظ سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اس کو یہ احساس ہو کہ ہم محفوظ ہیں۔ آپ منشور میں، آپ سیاسی اعلانات میں کتنا ہی کہیں کہ کسی مذہب میں دخل نہیں دیا جائے گا۔ ہر اقلیت اپنے کو محفوظ سمجھے لیکن اگر اس کے اندر یہ شعور یہ احساس نہیں کہ ہم محفوظ ہیں تو یہ اعلان کافی نہیں ہے۔ کوئی شخص رات کو سو رہا ہو ہر طرح سے حفاظت کے انتظامات ہوں باہر پہرے کے آوازیں دی جا رہی ہوں لیکن سونے والا شخص اپنے آپ کو کسی وجہ سے محفوظ نہ سمجھتا ہو تو اس کو نیند نہیں آئے گی۔ اقلیتوں کو محفوظ بھی ہونا چاہیے اور ان کے اندر اپنے محفوظ ہونے کا شعور ادراک اور اعتراف بھی ہونا چاہیے وہ کہیں کہ ہم محفوظ ہیں۔ وہ کہیں کہ ہمیں کوئی شکایت نہیں یہ بھی ضروری ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں اور اس جلسہ کا یہی پیغام سمجھتا ہوں کہ اس ملک کے لئے محفوظ ترین مناسب ترین کامیاب ترین نقشہ وہ ہے جو شروع میں گاندھی جی نے مولانا آزاد نے اور پنڈت جواہر لال نہرو نے بنایا تھا اور میں اتنا کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس نقشہ پر آخر تک مولانا آزاد جمے رہے یہی نقشہ اس ملک کے لئے موزوں ہے اور میں ذمہ داری سمجھتا ہوں ان سب لوگوں کی جن کے ہاتھ میں سیاست کی باگ ڈور ہے جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہے جو اس ملک کے رہنما ہیں ملک کے منتظم ہیں میں ان سب کی خدمت میں عرض کروں گا یہ چیز لکھ لینے کی ہے اور یاد رکھنے کی ہے اس ملک کے لئے سب سے بہتر نقشہ وہی ہے جو ہندوستان کے اولین مجاہدین آزادی نے بنایا تھا۔ اسی نقشہ میں اس ملک کی سلامتی اور ترقی کی ضمانت مضمر ہے۔ کہ یہ ملک صحیح معنی میں آزاد و خود مختار بھی ہو۔ اس ملک میں قانون محض تعداد کی زیادتی کسی کی تابع نہ ہو کہ اکثریت کی ہر بات مانی جائے اور اکثریت کی منشا کے مطابق اس ملک کو چلایا جائے بلکہ اس میں سب کے منشاء کا خیال رکھنا ہوگا۔ سب کو مطمئن کرنا ہوگا کہ کسی کو کسی شکایت کا موقع نہ رہے مولانا آزاد کی زندگی کا پیغام یہی ہے۔ اور یہ وہ صورِ اسرافیل ہے جسے مولانا آزاد پہاڑ کی بلندی

پر کھڑے ہو کر پھونکنا چاہتے تھے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان میں یہ جذبہ پیدا ہو رہا ہے اور یہ مولانا کے خلوص کی دلیل ہے کہ ان کے نقوشِ قلم اور ان کی تقریروں کے الفاظ کو زندہ کیا جائے۔ زندہ رکھا جائے، پھیلایا جائے، ان کو محفوظ رکھا جائے۔ ان کو زندۂ جاوید بنایا جائے۔

میں ان الفاظ کے ساتھ آپ حضرات کا شکرگزار ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ کہ میں ایک ایسے جلسہ کی صدارت کی ذمہ داری ادا کروں جس میں کا انتساب مولانا آزاد سے ہے۔ اس کے لئے اگر کوئی جواز ہے تو وہی ہے جس کو میں نے شروع میں کہا۔ کہ اب اس نسل میں اس کی ساری خوبیوں، کمالات اور قابلیتوں کے باوجود ایسے خوش قسمت افراد کم ہیں جن کو مولانا سے اتنے بار ملنے کا اور ان کی خدمت میں بیٹھنے کا اور ان سے استفادہ کرنے کا ابوالکلام سے ہم کلام ہونے کا شرف بار بار ہوا۔ پھر ان کا میرے خاندان، سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے عقیدت کا اور ہمارے ادارے ندوۃ العلماءؒ سے مسلک کا اور ذہن و فکر کا بہت قریبی تعلق رہا ہے انہوں نے اپنی جوانی کی ایک مدت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ماحول میں گذاری۔ علامہ شبلی نعمانی سے ان کا رشتہ ایک مستفید کا اور مولانا کا رشتہ ان سے ایک قدرداں کا تھا۔ ادارہ دارالمصنفین اس کے رفقاء اور خاص طور پر مولانا سید سلیمان ندوی۔ مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی سے ان کے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات تھے۔

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی یہ گذارش ختم کرتا ہوں اور آخر میں پھر شکریہ ادا کرتا ہوں ؛